کیا شرح أصول اعتقاد أهل السنة امام اللالکائی کی کتاب ہے؟

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الأمين، محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد:

قارئین کرام: علم حدیث دو مرحلوں سے گذرا ہے، پہلا مرحلہ "عصر الروایۃ" یعنی جس زمانے میں روایت غالب رہی اور تدوین کا کام کم مقدار میں ہوا، اور دوسرا مرحلہ "عصر التدوین" جس میں تدوین غالب رہی، کیوں کہ اکثر وبیشتر رواۃ پر نقاد کا کلام موجود تھا.

"عصر الروایۃ"میں محدثین نے فرداً فرداً ہر راوی کی جانچ پڑتال کی، ان کی پوری حالات زندگی کی چھان بین کی، ان کی بیان کردہ احادیث کے ایک ایک لفظ کی تحقیق کی، میزان جرح ونقد پر پرکھا، پھر جاکر صحیح وضعیف کی تمیز ہوئی، نیز کون ثقہ ہیں، کون صدوق ہیں، کون ضعیف ہیں، کن سے روایت لینی ہے، اور کن سے نہیں لینی ہے ان تمام باتوں کو محدثین کرام نے تفصیل سے بیان کیا.

پھر دوسرے مرحلے میں باضابطہ تدوین کا کام شروع ہوا، چنانچہ ثقہ راویوں کیلئے الگ تالیفات وجود میں آئیں، ضعفاء کے لئے الگ مصنفات منظر عام پر آئیں، کذابین ووضاعین کو بھی الگ کتابوں میں جمع کیا گیا.

ایسی کتابیں بھی معرض وجود میں آئیں جن میں صرف صحیح احادیث کو جمع کیا گیا، بعض ایسی کتابیں بھی تالیف کی گئیں جن میں صحیح وضعیف دونوں قسم کی احادیث جمع کی گئیں، اور بعض ایسی کتابیں بھی لکھی گئی جن میں صرف ضعیف اور موضوع روایات کو اکٹھا کیا گیا.

خلاصہ یہ کہ تدوین سے قبل کا مرحلہ "عصر الروایۃ" روایت کا زمانہ کہلاتا ہے، جس میں احادیث اور اس کے راویوں کی تحقیق ہوتی رہی اور ساتھ ہی تھوڑا بہت تدوین کا کام بھی چلتا رہا، اور دوسرا مرحلہ ان تمام راویوں کے حالات اور ان کی مرویات کی تدوین وتالیف کا ہے.

دوسرے مرحلے کی تکمیل کے بعد آنے والے محدثین ومحققین انہی مصنفات سے اعتناء کرتے رہے، انہوں نے ان مؤلفات کے رواۃ اور ناقلین کے لئے وہ معیار قائم نہیں کیا جو محدثین نے رواۃ حدیث کے

تعلق سے کیا تھا، اگر ناقلِ کتاب تحمل و سماع کا اسی طرح اہتمام کرتا جیسا کہ محدثین نے ضابطہ بنایا ہے تو وہ کافی ہوتا، ناقل کی توثیق اور ضبط واتقان کی کوئی حاجت نہیں ہوتی، کیونکہ کتاب کے نقل کرنے میں ناقل کی حالت کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ تحمل، سماع اور اجازہ وغیرہ کا اعتبار کیا جاتا ہے[1].

قارئین کرام: اس سلسلے میں ہم محدثین کی رائے بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ کتابوں کی اسناد کے تعلق سے ان کا کیا موقف تھا؟

محدثین رواۃِ حدیث اور رواۃِ کتاب میں فرق کرتے ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں گذرا، چنانچہ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں: **اس زمانے میں مجرد سند کا اعتبار کر کے کسی روایت پر صحیح کا حکم لگانا مشکل امر ہے، کیوں کہ اسناد میں موجود اکثر رواۃ جن کا اعتماد کتاب کی روایت پر ہوتا ہے ان میں حفظ وضبط اور اتقان کے وہ شرائط نہیں پائے جاتے جو رواۃ حدیث میں پائے جاتے ہیں**[2].

گرچہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کا کلام روایت کا زمانہ ختم ہونے کے بعد حدیث کی صحت پر حکم لگانے کے تعلق سے ہے، لیکن اس قول سے اتنی بات تو واضح ہے کہ کتابوں کی تدوین و تالیف کے بعد جو ان کتابوں کو سماعا یا اجازۃ روایت کرتے ہیں ان کے اندر حفظ اور ضبط واتقان کا وہ معیار تلاش نہیں کیا جاتا جو محدثین نے رواۃِ حدیث کے تعلق سے قائم کیا ہے.

حافظ ذہبی "میزان الاعتدال" کے مقدمہ میں کہتے ہیں: **بعض متاخرین رواۃ بھی متکلم فیہ ہیں، میں ان میں سے انہی کو اس کتاب میں ذکر کروں گا جن کا ضُعف بالکل واضح ہو گا، کیوں کہ ہمارے زمانے میں رواۃ پر اعتماد نہیں ہوتا، بلکہ ان محدثین** (حدیث بیان کرنے والے) **اور مقیّدین** (مقیدین انہیں کہا جاتا ہے جو مجلس سماع میں شریک ہونے والے کے بارے میں معلومات رکھتے تھے یعنی فلاں شخص فلاں

---

(1) عنایۃ المحدثین بتو[illegible]یق المرویات" (ص١٠)، بتصرف یسیر.

(2) "مقدمہ ابن الصلاح" (ص: ١٧).

محدث کی مجلسِ سماع میں حدیث سننے کیلیئے حاضر ہوا تھا) **پر اعتماد ہوتا ہے جن کی صداقت وثقاہت معروف ہو............ اگر میں نے** (متاخرین) **میں تضعیف کا باب کھول دیا تو بہت کم ایسے ہوں گے جو ضعفاء کی لسٹ میں شامل ہونے سے بچیں گے، کیوں کہ اکثر لوگ جو روایت کرتے ہیں انہیں پتا ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا روایت کر رہے ہیں، اور نہ ہی انہیں علم حدیث کی معرفت ہوتی ہے، کیوں کہ ان میں سے بعض ایسے ہوتے جنہیں** (سن تمیز سے قبل) **بچپن میں** (کسی مجلسِ سماع میں اپنے والدین وغیرہ کے ساتھ وہ شریک ہوتے) **احادیث سنایا جاتا،** (کیوں کہ صغر سنی کی وجہ سے ان کے اندر ضبط وإتقان کی صلاحیت نہیں ہوتی تھی) **اور جب وہ بڑے ہو جاتے تو ان کی سند عالی ہو جاتی، اور لوگوں کو ان کے سند کی ضرورت پڑتی، اس لئے اعتبار انہی لوگوں کا ہو گا جنہوں نے انہیں پڑھ کر سنایا، اور ان سے حدیث بیان کیا، یا جنہوں نے سماع کے رجسٹر میں ان کا نام درج کیا**(3).

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: **جو کتابیں مشہور ومعروف ہوتی ہیں ان کے لئے مصنف تک اسناد کی حاجت وضرورت نہیں ہوتی، مثال کے طور پر "سنن نسائی" کو ہی لے لیں، اس کتاب کی نسبت امام نسائی تک ثابت کرنے کیلیئے مصنف تک کتاب کے رواۃ کا حال جاننا ضروری نہیں**(4).

شیخ البانی کہتے ہیں: **جو کتابیں علماء کے درمیان، مشہور ومتداول ہوں اور علماء نے اس کتاب پر اعتماد بھی کیا ہو تو پھر کتاب کے اسناد کی کوئی حاجت نہیں رہتی، ہاں اگر کتاب کی اسناد ثابت ہو جائے تو نور علی نور ہے، اسناد کے ثبوت سے اس کتاب کو اضافی قوت حاصل ہو گی، اور اگر اس کتاب کی اسناد نہیں ملتی تو**

---

(3) "میزان الاعتدال" (۱/ ۴).

(4) "النکت علی کتاب ابن الصلاح" (۱/ ۲۷۱).

کتاب کے ثبوت پر اثر نہیں پڑے گا اور نہ ہی کوئی نقصان ہو گا[5]، (کیوں کہ وہ کتاب علماء کرام کے درمیان پہلے سے مشہور ہے).

محترم قارئین: کسی کتاب کو اس کے مؤلف کی طرف نسبت کرنے کا جو پیمانہ محققین نے بنا رکھا ہے وہ بہت ہی صاف ستھرا اور عدل پر مبنی ہے، جیسا کہ آپ نے مذکورہ سطور میں ائمہ کے اقوال کی روشنی میں ملاحظہ کیا، عصر حاضر میں عالمی جامعات بالخصوص اسلامی یونیورسٹیوں میں کسی کتاب کو مؤلف کی طرف منسوب کرنے کا جو طریقہ رائج ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

۱- مؤلف خود کہیں کہ میں نے فلاں کتاب لکھی ہے، یا مؤلف کے شاگرد اس کی کتاب کی نسبت اپنے استاد کی طرف کریں، یا اہل علم اس کتاب کو اس مؤلف سے منسوب کریں.

۲- اس فن کے اہل علم اس کتاب کے مواد سے اندازہ لگا کر کہیں کہ یہ فلاں عالم کی کتاب ہے.

۳- مؤرخین کسی کی سوانح لکھتے وقت یہ ذکر کریں کہ انہوں نے فلاں عالم سے فلاں کتاب سنی ہے، یا فلاں شیخ کے توسط سے فلاں مؤلف کی کتاب سنی ہے.

۴- اس مؤلف کے بعد آنے والے علماء اس مؤلف کا نام لے کر اس کتاب سے نقل کریں، اور استفادہ کریں.

۵- علماء کی سوانح پر لکھی گئی کتابوں میں اس کتاب کو اس مؤلف سے منسوب کیا گیا ہو.

۶- جتنے بھی قلمی نسخے ہوں سب پر مؤلف کا نام ہو.

اگر کسی کتاب کے تعلق سے مذکورہ تمام شروط پائے جائیں اور ایک ہی مؤلف کی طرف اشارہ کریں تو یقینا یہ کتاب اسی مؤلف کی طرف منسوب ہو گی، اس کی نسبت کی صحت میں تشکیک پیدا کرنا درست نہیں.

---

(5) "فضل الصلاۃ علی النبی" (ص: ۱۳).

خوانندگان کرام: امام لالکائی رحمہ اللہ کی کتاب "شرح اصول اعتقاد اَھل السنہ" کی شہرت اہل علم کے درمیان بالکل ویسے ہی ہے جیسے ہمارے درمیان سورج کی ہے، اہل علم میں سے کسی نے بھی امام لالکائی سے اس کتاب کی نسبت میں شک نہیں کیا ہے، بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ جس امر کی جرأت خطیب بغدادی، ابن تیمیہ، ابن القیم، ذہبی، ابن حجر وغیرہ جیسے مشہور اور اس فن کے ماہرین نہیں کر سکے، اس کی جسارت آج کے زمانے میں بعض لوگ بالکل آسانی کے ساتھ کرتے نظر آرہے ہیں، ایسی کتاب جس کے ثبوت اور شہرت پر امت مسلمہ کا اتفاق رہا ہے اسے زبان کی ایک حرکت سے کالعدم قرار دینے کا کام جاری ہے، اگر یہی سلسلہ جاری رہا ہے، تو آنے والے وقت میں تراثِ اسلامی کے نام پر شاید ایک کتاب بھی نہ بچے، کیوں کہ بہت سی ایسی مشہور کتابیں ہیں جن کی سند مؤلف تک موجود نہیں ہیں، یا پھر اس کی سند میں ایسے رواۃ ہیں جن کے حالات کا کچھ پتا نہیں یا وہ ضعیف ہیں، اس لئے ایسے مسئلہ میں تسرّع سے پرہیز کرنا ازحد ضروری ہے، بلکہ امام احمد کا ایک قول ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے " إیاک أن تتکلم فی مسألۃ لیس لک فیھا سلف " جس مسئلہ میں ہم سے ماقبل کے ماہرین نے زبان کو جنبش نہ دی ہو ہمیں بھی اس مسئلہ میں حددرجہ احتیاط کرنا چاہیے.

قارئین کرام: آپ خود سوچیں کہ جس مسئلہ میں سلف کا کلام نہ ہو اس میں خاموشی بہتر ہے، تو پھر جس مسئلہ میں علماء اسلام کا اتفاق ہو اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کرنا اور شذوذ کی راہ اختیار کرنا کس قدر سنگین ہے ؟!!!

اب ہم آئندہ سطور میں امام لالکائی رحمہ اللہ کی مشہورِ زمانہ کتاب "شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ" کے ثبوت کے تعلق سے گفتگو کریں گے ان شاءاللہ.

اس کتاب کی نسبت امام لالکائی طرف ان کے شاگرد خطیب بغدادی (ت: ۴۶۳ھ) نے "تاریخ بغداد" میں کی ہے[6]، گویا کہ یہ کتاب مؤلف کے زمانے میں ہی شہرت پا گئی تھی، نیز خطیب بغدادی کے بعد آنے والے اہل علم ہر زمانے میں اس کتاب کو امام لالکائی کی طرف منسوب کرکے استفادہ کرتے رہے ہیں.

جیسے: یحیی بن ابی الخیر سالم العمرانی (ت: ۵۵۸ھ) نے "الانتصار فی الرد علی المعتزلۃ القدریۃ الاشرار" میں[7]، ابن الجوزی رحمہ اللہ (ت: ۵۹۵ھ) نے "المنتظم فی تاریخ الملوک والامم" میں[8]، بلکہ ابن الجوزی نے اس کتاب کو اسناد کے ساتھ روایت بھی کیا ہے، ابن نقطہ رحمہ اللہ (ت: ۶۲۹ھ) نے "ا لہ ی قدیید لمعرفۃ السنن والمسانید" میں[9]، اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ امام لالکائی کی اس کتاب کو محمد عبد القادر الرّہاوی، اور عبدالغنی بن عبد الواحد المقدسی نے حافظ ابو طاہر ا لسِلفی سے اسناد کے ساتھ سنا ہے، ابن ابی شامہ رحمہ اللہ (ت: ۶۶۵ھ) نے "الباعث علی انکار البدع والحوادث" میں[10]، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (ت: ۷۲۸ھ) نے "الفتوی الحمویۃ الکبری" میں[11]، اور دیگر تصانیف میں بھی، بدر الدین بن جماعۃ (ت: ۳۳ایضاح الدلیل فی قطع حجج اھل ا لہ ی عطیل" میں[12]،

---

(6) (۱۶/ ۱۰۸).

(7) (۲/ ۴۹۰).

(8) (۱۸/ ۱۵۴).

(9) (ص: ۱۷۸).

(10) (ص: ۱۷).

(11) (ص: ۳۲۸).

(12) (ص: ۴۰).

ذہبی (ت: ۷۴۸ھ) نے "سیر أعلام النبلاء" میں[13]، ابن رجب الحنبلی (ت: ۷۹۵ھ) نے "جامع العلوم والحکم میں[14]، ابن ا امقاس (ت: ۸۰۴ھ) نے "التوضیح لشرح الجامع الصحیح" میں[15]، ابن حجر (ت: ۸۵۲ھ) نے "الإصابہ فی تمییز الصحابۃ" میں[16]، عینی (ت: ۸۵۵ھ) نے "عمدۃ القاری" میں[17]، سیوطی (ت: ۹۱۱ھ) نے "الدر المنثور" میں[18]، مرعی بن یوسف الحنبلی (ت: ۱۰۳۳ھ) نے "أقاویل الثقات فی تاویل الأسماء والصفات" میں[19]، محمد بن احمد ا اسفارینی (ت: ۱۱۸۸ھ) نے لوامع الانوار البھیہ میں[20]، شوکانی (ت: ۱۲۵۰ھ) نے "فتح القدیر" میں[21]، نعمان آلوسی (ت: ۱۳۱۷ھ) نے "جلاء العینین فی محاکمۃ الأحمدین" میں[22]، اس کتاب سے استفادہ کیا ہے اور صراحت کے ساتھ اس کی نسبت مؤلف کی طرف کی ہے.

قارئین کرام: امام لالکائی رحمہ اللہ کی وفات (۴۱۸ھ) میں ہوئی، ان کے زمانے سے لے کر آج تک ہر زمانے اور صدی کے علماء وفضلاء ان کی کتاب" شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ" سے استفادہ کرتے رہے، اور اس کی نسبت امام لالکائی کی طرف کرتے رہے ہیں، جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں

---

(13) (۱۳/ ۱۳۶).

(14) (۱/ ۱۵۰).

(15) (۲/ ۴۵۲).

(16) (۳/ ۵).

(17) (۱/ ۱۰۷).

(18) (۱/ ۴۱۲).

(19) (ص: 120).

(20) (۲/ ۲۴۳).

(21) (۵/ ۴۰۹).

(22) (ص: ۴۲٦).

حوالے نقل کئے گئے، ان میں سے کسی ایک عالم نے بھی امام لالکائی کی طرف اس کتاب کی نسبت میں شک نہیں کیا اور نہ ہی سوالیہ نشان قائم کیا.

اس کے باوجود یہ کہنا کہ یہ کتاب مؤلف سے ثابت ہی نہیں، کیوں کہ مؤلف سے روایت کرنے والا راوی کذاب ہے، اس لئے ہم اس کا اعتبار نہیں کر سکتے، تو یہ بات درست نہیں، کیوں کہ مخطوطات کی دنیا میں کسی محقق نے یہ پیمانہ نہیں بنایا ہے کہ کسی کتاب کی نسبت اس کے مؤلف کی طرف صحیح ہونے کیلئے اس کتاب کی اسناد کا مؤلف تک صحیح ہونا ضروری ہے، جیسا کہ اس تعلق سے ابن حجر اور شیخ البانی وغیرہ کا کلام گذرا.

معزز قارئین: اگر بات چلی ہے اسناد کی تو اس کی بھی تحقیق ہو جائے تا کہ حقیقت حال آشکارہ ہو سکے، در اصل جو لوگ اس کتاب کو غیر ثابت کہتے ہیں وہ اس کتاب کے راوی ابو بکر احمد بن علی بن الحسین الطُرَیثیثی کو متروک اور جھوٹا مانتے ہیں، کیوں کہ ابن ناصر نے اسے کذاب کہا ہے، جب کے دیگر ائمہ کے اقوال سے وہ صرفِ نظر کر جاتے ہیں، ذیل میں ہم طُرَیثیثی کے متعلق علماء کرام کے جرح وتعدیل کے اقوال نقل کریں گے.

ابو بکر احمد بن الحسین الطُرَیثیثی امام لالکائی کے شاگرد ہیں.

ابن الجوزی کہتے ہیں: اہل بغداد کا ان کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے[23].

حافظ ذہبی کہتے ہیں: وہ امام، زاہد اور مسند (جو سند کے ساتھ روایت کرے اسے مسند کہتے ہیں گر چہ اس کے پاس حدیث کا علم نہ ہو) تھے[24].

نیز فرماتے ہیں: ان کے اندر ضُعف ہے، اور ابن ناصر نے انہیں کذاب کہا ہے[25].

---

(23) "الضعفاء وا ام ي مروكون" (1 / 81) ".

(24) "سیر أعلام النبلاء" (۱۸ / ۱۶۹).

ابن الانماطی کہتے ہیں: ابو علی الکرمانی کی وجہ سے وہ اختلاط کا شکار ہو گئے تھے[26].

کیوں کہ آخری عمر میں ان کی نگاہ چلی گئی تھی، اور ان کیلئے لکھنے کا کام یہی ابو علی کیا کرتے تھے، اور ابو علی نے ان کی سماع میں ایسی چیزیں داخل کر دی تھی جو طُرَیثِیؒ نے کسی سے نہیں سنی تھی، اور ابو علی سے حسن ظن کی وجہ سے ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی لکھی ہوئی چیزیں بیان کیا کرتے تھے[27].

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ابن زر قویہ سے سماع کا دعویٰ کیا جب کہ ابن زر قویہ سے ان کا سماع ثابت نہیں تھا.

چنانچہ سمعانی کہتے ہیں: انہوں نے ابن زر قویہ سے سماع کا دعوی کر کے (محدثین کی نگاہ میں) خود کو خراب بنالیا[28].

صلاح الصفدی کہتے ہیں: ان کی سماعات صحیح ہیں، سوائے ان چیزوں کے جو ابو علی الکرمانی نے داخل کر دیا[29].

حافظ ابو طاہر السلفی نے انہیں ثقہ کہاہے[30].

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں: (ابو علی الکرمانی کا ان کے سماعات میں اپنی جانب سے داخل کرنا، نیز طُرَیثِیؒ کا ابن زر قویہ سے سماع کا دعوی کرنا) **اس سے ان کی دیانت داری مطعون نہیں ہوتی، نیز طُرَیثِیؒ کی جو روایتیں ابو علی الکرمانی کے طریق سے نہ ہو اس پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا**[31].

---

(25) "المغنی فی الضعفاء" (۱/ ۴۸).

(26) "لسان المیزان" (۱/ ۵۴۷).

(27) "طبقات الشافعیۃ الکبری" (۴/ ۴۰).

(28) لسان المیزان" (۱/ ۵۴۷).

(29) "الوافی بالوفیات" (۷/ ۱۳۴).

(30) "لسان المیزان" (۱/ ۵۴۷).

اور تقی الدین سبکی کہتے ہیں ابن ناصر کا ظرَ ۔ یُہ ۔ یِیاوِ کذاب کہنا ان کے ابن زر قویہ سے سماع کے دعوی کی وجہ سے ہے، حالانکہ ابن ناصر نے انہیں کذاب کہہ کر مبالغہ سے کام لیا ہے، کیوں کہ ظرَ سیِ ُ یِنے یہ دعوی ابو علی الکرمانی کی وجہ سے کیا ہے، کیوں کہ ظرَ سیِ ُ یِجھوٹے نہیں تھے، اس لئے صرف ابن زر قویہ سے سماع کا دعوی کرنے کی وجہ سے وہ جھوٹے نہیں ہوں گے، اور نہ ہی اس بنا پر ان کی ان تمام مرویات کو رد کیا جائے گا جس میں ان کی سماع صحیح ہے، نیز ابو طاہر ا اسلفی ظرَ سیِ ُ یِی اسی سماع سے نقل یا روایت کرتے ہیں جو اصل اور صحیح ہوتی ہے، اگر ظرَ سیِ ُ یِجھوٹے تے تو ابو طاہر ا اسلفی ان سے کبھی روایت نہ کرتے، جیسا کہ خود ابو طاہر ا الّسِلفی نے کہا ہے: ظرَ سیِ ُ یِی جس سماع سے میں نقل کرتا ہوں یا روایت کرتا ہوں وہ بالکل سورج کی طرح واضح اور صحیح ہوتی ہے (32).

اور حافظ ابن حجر کہتے ہیں ابو طاہر ا الّسِلفی احمد بن علی بن الحسین ظرَ سیِ ُ یِسے جو بھی روایت کرتے ہیں ہم اس کے بارے میں پختہ یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بالکل صحیح ہیں، کیوں کہ ابو طاہر ا اسلفی نے ظرَ سیِ ُ یِکے اصل اور صحیح سماع سے روایت کیا ہے (33).

اس لئے ابو طاہر کہتے تھے: حدثنا من اصلہ. "المصدر السابق" .

ظرَ سیِ ُ یِکے بارے میں خلاصہ یہی ہے کہ:

ابو طاہر ا الّسِلفی جو بیان کرتے ہیں وہ صحیح ہے، کیوں کہ ابو طاہر ا الّسِلفی ان سے وہی بیان کرتے ہیں جو ان کے اصل اور صحیح سماع سے ہوتا.

---

(31) "طبقات الفقہاء الشافعیۃ" (١/ ٣٥٣).

(32) "طبقات الشافعیۃ الکبری" (٤/ ٤٠).

(33) "امیر ۔ ان" (١/ ٥٤٧).

✺ اور امام لالکائی کی کتاب "شرح اصول اعتقاد اہل [illegible] السلفی نے احمد بن علی بن ا [illegible]

طریق سے بیان کیا ہے، چنانچہ اس کتاب کی سند صحیح ہے.

✺ اور اسکے صحیح ہونے کی صراحت حافظ ابن حجر نے کی ہے، نیز ابن الصلاح، اور سبکی اور صفدی کا قول بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، اور تمام علماء وفضلاء اور عقیدے کے ماہرین کا اتفاق بھی اس کتاب کی سند کو درست قرار دیتا ہے.

✺ کیوں کہ ان میں سے کسی نے بھی امام لالکائی کی طرف اس کتاب کی نسبت میں شک نہیں کیا ہے.

✺ اسی طرح اس کتاب کے جتنے بھی قلمی نسخے ہیں ان سب پر امام لالکائی کا ہی نام ہے جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ کتاب امام لالکائی کی ہے، اور ان سے ثابت ہے.

✺ اور رہی بات ابن ناصر کا [illegible] کو کذاب کہنا تو وہ درست نہیں جیسا کہ سبکی نے اس کا جواب دیا ہے، نیز ابو علی کرمانی کی وجہ کر ان کی تمام مسموعات کو مسترد کرنا بھی درست نہیں جیسا کہ ابن الصلاح، ذہبی اور صفدی نے کہا ہے.

✺ خلاصہ کلام یہ کہ:

صرف ابن ناصر کے قول کو بنیاد بنا کر اس کتاب کو کالعدم قرار دینا بالکل انصاف کے خلاف ہے.

☜ نیز ان علماء کرام ثقاہت پر سوالیہ نشان بھی جنہوں نے اس کتاب کو امام لالکائی کی کتاب مان کر ان کے زمانے سے آج تک اس سے استدلال کرتے آئے ہیں.

☜ اسلئے کسی کتاب کو مؤلف کی طرف نسبت کرنے کا جو معیار ہے اس کو مد نظر رکھنا چاہیے، اگر اس میں کوئی کمی ہو تب کتاب پر سوالیہ نشان قائم کیا جا سکتا ہے.

☜ بصور تدیگر کتاب کی سند کے کسی راوی کو بنیاد بنا کر اس کتاب کے ثبوت کا انکار کرنا محققین کے منہج کے خلاف ہے.

چند سوالات:

☜ کیا متقدمین ومتاخرین علماء میں سے کسی نے کتاب کے ثبوت کیلئے مؤلف تک سند کے صحیح ہونے کی شرط لگائی ہے؟

☜ ہاور دیگر کتب کی جو طویل اسناد کا سلسلہ ہم تک پہنچا ہے کیا ہم سے لے کر امام بخاری تک اگر اس سند میں کوئی ایک بھی ایسا راوی ہو جس کی توثیق نہیں ملتی تو کیا اس کی وجہ سے پوری صحیح بخاری ضعیف ٹھرے گی؟

☜ اسناد کی ضرورت کسی حدیث کو تصحیح وتضعیف کے اعتبار سے پرکھنے کیلئے ہوتی ہے، جب ایک کتاب تالیف ہو کر مہ صہ شہود پر آگئی اور علماء کرام کے درمیان متدوال ہوگئی کہ یہ فلان کی تالیف ہے تو مؤلف کی کتاب روایت کرنے والے راوی کے ضعیف ہونے سے اس کتاب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر مؤلف کے بعد کے رواۃ کی بھی تحقیق کی ضرورت ہے تو پھر مؤلف کے بعد جتنے رواۃ آج تک اس سند میں موجود ہیں ان سب کی تحقیق کی جانی چاہئے، اور اگر آج کے زمانے میں کسی کے پاس صحیح بخاری کی سند ہے تو سب سے پہلے اسی شخص کو جرح وتعدیل کے میزان پر پرکھا جائے گا، اور اسی طرح اس کے اوپر والے کے ساتھ بھی معاملہ کیا جائے گا، اور یہی سلسلہ مؤلف تک جائے گا.

اب یہ بتائیں کہ کتنی کتابیں اسناد کے ساتھ محفوظ رہیں گی؟

☜ نیز آج کے دور میں کس کی تعدیل وتجریح کا اعتبار کیا جائے گا، اور کس بنیاد پر؟

☜ اگر کوئی یہ کہے کہ نہیں صرف مؤلف کے راوی کو پرکھا جائے گا آج کے زمانے کی سند کو نہیں پرکھا جائے گا، تو پھر سوال یہ ہوتا ہے کہ اس تخصیص کی دلیل کیا ہے؟

مختصر ایں کہ بلاوجہ امت کے اعتماد کو متزلزل کرنے کی سعی نہ کی جائے، ہاں جس کتاب کے ثبوت میں حقیقتاً تردد ہو اس کو تحقیقی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے، البتہ جس کتاب کے ثبوت پر امت

کے کبار علماء نے اتفاق کیا ہو اور اہل علم کے درمیان وہ مشہور ومتداول رہی ہو اس کو زبردستی کالعدم قرار دینے کی کوشش کرنا یقیناً فتنے کا سامان ہے.

اللہ المستعان وعلیہ وحدہ التکلان